ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

عالمگیر معاشرے میں شاعری کا جواز کیا ہے؟

ڈاکٹر محمد عطااللہ
اسسٹنٹ پروفیسر لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
اسلم حمید
پی ایچ ڈی اسکالر، جی سی یو، لاہور
حافظ غلام مرتضیٰ
لیکچرار، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Poetry has always been a topic of debates amongst critics of every age in all parts of the world. What exactly is it? How can it be a useful for contemporary society? Is it just an entertainment for a few moments or it can influence the people seriously? In spite of being "media" in the past, can it be taken as an important tool to propagate certain ideas? These are the questions behind this article. It is a humble effort to find answers of these questions. Starting from Plato and coming to the utilitarian theory of 19th century, there are many objections on poetry and many justifications in its favor. Some of these are discussed here.

کیا شاعری محض ایک بے کار ہنر ہے اور کیا اسے ایک سنجیدہ فن کے طور پر دیکھا بھی جانا چاہیے یا نہیں؟ یہ وہ سوال ہے جو صدیوں سے ایک بوجھ بن کر شاعر کے سینے پر دھرا ہوا ہے۔ شاعر کیوں؟ شاعری کس کے لیے؟ اپنے لیے کہ معاشرے کے لیے؟ معاشرے میں کس کے لیے؟ طعمہِ ہر مرغکے انجیر نیست تو پھر اس شعری انجیر کے مستحق کون ہیں؟ یہ سب سوالات ہمیشہ سے موجود تھے لیکن دورِ حاضر میں عالمگیریت کے پھیلاؤ اور مابعد صنعت عالمِ غیب سے اترنے والے غیر متوقع اقدار کے حملوں نے اس سوال کی اہمیت کو دوچند کر دیا ہے۔ اب یہ سوال محض سوال نہیں رہا۔ یہ ایک مرتی ہوئی تہذیب کا نوحہ بن چکا ہے۔ نئی نسل نہ صرف یہ کہ شاعری کے ذوق سے نابلد ہے بلکہ اس کے نزدیک شاعر ایک مسخرا ہے جس کا کام لوگوں کو ہنسانا ہے۔ بلاشبہ اس کا ایک سبب الیکٹرونک میڈیا پر نشر ہونے والے وہ بے سروپا مشاعرے ہیں جنھیں کشتِ زعفران کا نام دے کر ہر مسخرے اور بھانڈ کو شاعر بنا کر پیش کر دیا گیا، لیکن اس کا حقیقی سبب معاشرے میں شاعری کا محدود ہوتا ہوا کردار ہے۔ شاید اب شاعری کی کسی کو ضرورت ہی نہیں رہی۔ قدیم دور میں بھی شاعری پر اعتراضات ہوتے تھے لیکن ان کی نوعیت مختلف تھی۔ یہ سلسلہ مشہور یونانی فلسفی افلاطون سے شروع ہوتا ہے۔ افلاطون نے یہ اعتراضات اور الزامات اپنی کتاب جمہوریہ (Republic) میں پیش کیے۔ اِس کتاب میں افلاطون نے ایک آئیڈیل ریاست کا خاکہ پیش کیا ہے اور اِس ضمن میں اِس کتاب کے دسویں حصے میں شاعر اور شاعری کے حوالے سے تفصیلی بحث کرتے ہوئے شاعر کو اپنی ریاست کا حصہ بنانے سے انکار کیا ہے۔ شاعر کو آئیڈیل ریاست کا حصہ نہ بنانے کی وجوہات افلاطون کے نزدیک ایک سے زیادہ ہیں۔ یہی وجوہات وہ بنیادی اعتراضات ہیں کہ جہاں سے شاعری کے حق اور مخالفت میں بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ افلاطون نے اپنی کتاب "جمہوریہ" کی ابتداء میں شاعری اور ادب کی تفصیلی کاٹ چھانٹ (Strict Censorship) کو معاشرے کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور پھر اپنے اس موقف کی صداقت ثابت کرنے کے لیے نظریہ اعیان وظلال پیش کیا ہے۔ افلاطون نے خصوصی طور پر اپنے زمانے کے اِس نقطۂ نظر کی شدت سے مخالفت کی ہے کہ شاعر نہ صرف کائنات کا وسیع علم رکھتا ہے بلکہ معلّمِ اخلاق ہونے کی اہلیت کا بھی مستحق ہے۔[1]

افلاطون کا نظریہ یہ ہے کہ اِس دُنیا کی ہر چیز عالمِ مثال کی نقل ہے۔ یعنی تمام اشیاء جو اِس دُنیا میں وجود رکھتی ہیں، اپنی آئیڈیل صورت میں عالمِ مثال میں موجود ہیں۔ شاعر اِس دُنیا کی نقل کرتا ہے، چنانچہ شاعر حقیقت سے تین درجے دُور ہو جاتا ہے۔

"The tragic poet is an imitator, and therefore, like all other imitators, he is thrice removed from the King and from the truth."[2]

یعنی شاعر وہ نقال ہے جو حقیقت سے تین درجے دُور ہے۔ اِس لیے شاعری معاشرے میں جگہ پانے کی اہل نہیں ہو سکتی۔

افلاطون کا دوسرا اعتراض مذہبی اور اخلاقی نوعیت کا ہے کہ شاعر دیوی دیوتاؤں کی توہین کرتا ہے۔ اور تیسرے اعتراض کا تعلق نفسیات سے ہے کہ شاعر عام لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرتا ہے۔[3] ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اِس سلسلے میں مزید تفحص سے کام لیتے ہوئے افلاطون کے خیالات تفصیل سے پیش کیے ہیں، لیکن بنیادی طور پر مندرجہ بالا تین اعتراض ہی سامنے آتے ہیں۔

افلاطون کے شاگرد ارسطو نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب "بوطیقا" میں ان تمام اعتراضات کے جواب دیے۔ ارسطو نے افلاطون کے نظریۂ اعیان وظلال کو بنیاد بناتے ہوئے شاعر کو تیسرے درجے کے نقال کی بجائے موجود اشیاء کو اُن کی مثالی صورت میں پیش کرنے والا فنکار ثابت کیا اور اس کے ساتھ ساتھ شاعری بالخصوص ٹریجڈی یعنی المیہ شاعری کو جذباتِ انسانی کا غیر نقصان دہ تزکیہ

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

کرنے کا ذریعہ بھی بتایا۔ افلاطون اور ارسطو کے عہد کے بعد مغرب میں ایک طویل عرصہ تک مسیحیت کے زیرِ اثر مذہب کا شدید غلبہ رہا۔ انگریزی ادبیات میں اِس دور کو عہدِ ظلمت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اِس دور میں ادب اِس قدر شدید پابندیوں کا اسیر تھا کہ تخلیقی سطح پر ادب میں کسی قسم کی ترقی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ شاعری کو عقل کا دشمن اور منطق اور استدلال کے لیے تباہ کُن قرار دیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں سکاٹ جیمز رقمطراز ہیں:

"Whatever we may say about the development of Christendom, as organized under the Christian church from about the fifth century to fifteenth, the fact cannot be denied that it tended to stifle the free, conscious development of the secular arts, and impeded the progress of any continuous stream of literary activity."[4]

چرچ کی طرف سے عاید کردہ ان پابندیوں کا نتیجہ یہ تھا کہ ادب صرف مذہبی اقدار کی تفہیم و تشریح کا ایک ذریعہ قرار پایا۔ یہ درست ہے کہ ان تمام پابندیوں کے باوجود معاشرے میں مقامی سطح پر اور مقامی زبانوں میں گیتوں کا رواج موجود رہا اور معاشرے کی ادبی نبض دھڑکتی رہی لیکن مناسب ادبی تنقید کی رہنمائی کے بغیر اُس دور کا ادب معاشرے کے اجتماعی شعور سے اُبھرنے والی حکمت سے دُور رہا اور نتیجتاً اُس دور میں معاشرے کے اجتماعی شعور کی مرکزی رَو پر چرچ کا قبضہ ہونے کی وجہ سے:

"All art activity that burst outside was shut off from fertilizing source o knowledge and the free play of criticism."[5]

اسی عہدِ ظلمت میں ہمیں دانتے کی شکل میں کچھ روشنی نظر آتی ہے جس نے شاعری اور نثر میں مقامی زبان کے استعمال پر زور دیا۔ اِس کے علاوہ طامس مور کی کتاب "یوٹوپیا" جو افلاطون کے فلسفے سے متاثر ہو کر لکھی گئی، اِس اعتبار سے اہم ہے کہ اِس میں قدامت اور رجعت کے خلاف اصلاح اور تجدید کی مؤثر تلقین کی گئی ہے۔

انگریزی ادب کی نشاۃ الثانیہ کے ابتدائی دَور میں ہمیں تین اہم نام نظر آتے ہیں جنھوں نے ادب پر چرچ کی پابندیوں اور مذہبی غلبے کے خلاف مؤثر آواز بلند کی اور تخلیقی و تنقیدی سطح پر انگریزی ادبیات کو نئی جہتوں سے روشناس کیا۔ اِن میں جان للّی (John Lyly)، سر فلپ سڈنی اور سپنسر شامل ہیں۔ للّی اور سپنسر کی شہرت اُن کی نثر اور توانا نثر اور شاعری کے حوالے سے ہے جبکہ سر فلپ سڈنی نے اُس دور میں انگریزی ادب کو اُس رہنما تنقید کا تحفہ دیا جس کی کمی گزشتہ ہزار سالوں سے محسوس کی جا رہی تھی۔

سر فلپ سڈنی ایک اعلیٰ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ وہ ایک کامیاب ادیب اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہادر سپاہی بھی تھا۔ اُس کی سیاسی بصیرت کا اعتراف اُس کے زمانے میں ہی کر لیا گیا تھا۔ سر فلپ سڈنی نے ادبی زندگی کا آغاز شاعری اور شاعرانہ نثر سے کیا۔ اُن کی کتابیں، "Astrophel and Stella" اور "Arcadia" اپنے زمانے میں بہت مشہور ہوئیں لیکن سڈنی کی شہرت کا بنیادی سبب اُن کی تنقیدی کتاب "Defence of Poetrie" ہے جس کا دوسرا ایڈیشن "An Apologie for Poetrie" کے نام سے چھپا۔ یہ کتاب 1580ء کی ابتداء میں مکمل ہو گئی تھی لیکن پہلی دفعہ 1595ء میں سر فلپ سڈنی کی وفات کے تقریباً پندرہ سال بعد شایع ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب انگلستان پاپائیت کی قید سے آزاد ہو چکا تھا اور قوم و ملک سے محبت کے جذبے سے سرشار انگریزی شاعری یورپ کی شاعری سے مقابلہ کر رہی تھی۔ لیکن اِسی دور میں پیورٹن تحریک کے زیرِ اثر کٹّر قسم کے مذہبیوں نے شاعری کے خلاف ایک محاذ برپا کر رکھا تھا۔ اُس دور میں سر فلپ سڈنی کی یہ کتاب نہ صرف پیورٹن گروہ کے اعتراضات کا مؤثر جواب ثابت ہوئی بلکہ مستقبل میں بھی اِس کتاب سے انگریزی ادب کو بہت رہنمائی ملی۔

سر فلپ سڈنی نے پیورٹن تحریک کے الزامات کے حوالے سے شاعری کا دفاع کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اُن کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

۱۔ ابتداء میں شاعری کی قدامت اور اِس کے تہذیبی عمل پر زور دیتے ہوئے اِسے انسان کی اوّلین سرشت قرار دیا گیا ہے اور اِسی بات کو شاعری کا جواز بنایا گیا ہے۔

۲۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ شاعر محض ایک نقّال نہیں یعنی اُس کا عمل موجود جہان کی تصویر پیش کرنا نہیں بلکہ وہ تخلیق و اختراع سے کام لے کر ایک جہانِ نو ترتیب دیتا ہے۔ ڈیوڈ ڈیشنر کے الفاظ میں فلپ سڈنی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ

"The poet is a maker, a creator, who makes things either better than nature bringeth forth, or quite a new forms such as never were in nature."[6]

۳۔ اور اِس طرح ایک نیا جہان تخلیق کرتے ہوئے شاعری قاری پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اِس طرح شاعری تاریخ اور فلسفے کی نسبت کہیں بہتر معلّمِ اخلاق ہے۔ فلسفہ خیالات پیش کرتا ہے لیکن قاری کو اِن خیالات کے مطابق ڈھالنے کے لیے اُس میں تحرک پیدا نہیں کرتا اور تاریخ محض حقائق پیش کرتی ہے اور یہ بتاتی ہے کہ کیا ہوا جو قاری کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں۔ چنانچہ تہذیبی اور اصلاحی عمل کے لیے شاعری بہترین وسیلہ ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

۴۔ اشیاء کی باز آفرینی یا سادہ لفظوں میں نقل شاعر نہیں کرتا بلکہ تصور کرتا ہے جس کا تعلق قاری سے ہے۔ قاری اِس تصور کو ایک مجسم شکل میں دیکھتا ہے۔ تخیّل ہمیں حقیقت کی بجائے حقیقت کا متبادل دیتا ہے۔ اس لیے ایک مؤثر خ کی نسبت شاعر حقیقت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سڈنی کے نزدیک شاعری تاریخ سے زیادہ مؤثر اور بہتر معلّمِ تہذیب و اخلاق ہے۔

۵۔ چونکہ تاریخ محض مثال کا سہارا لیتی ہے اور فلسفہ اصول اور منطق کا پابند ہوتا ہے، اس لیے شاعری وہ وسیلہ ہے جو فلسفے اور تاریخ میں آہنگ پیدا کرتے ہوئے حقیقت اور تخیل کے امتزاج سے تصویر کے دونوں رُخ دکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعری دیگر علوم و فنون کے مقابلے میں عوام سے زیادہ قریب ہے۔

۶۔ شاعرانہ بیان کی خصوصی اہمیت ہے اور قاری کے دل میں احساس جگانا اور اسے تحریک دینا شاعرانہ بیان کی وجہ سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ شاعرانہ بیان میں نفسِ مضمون کے علاوہ ہئیت اور طرزِ ادا کا بہت اہم کردار ہے۔ سر فلپ سڈنی نے اپنے مقالے کے آخری حصے میں اسلوب، طرزِ ادا اور شاعری کی مختلف اصناف کے معیار بھی مقرر کیے ہیں۔ کتاب کے اختتام پر سڈنی نے اِن اصولوں کی روشنی میں شاعری کے معترضین کا محاسبہ کرتے ہوئے اُن کے تمام اعتراضات کو رَد کیا ہے۔

سر فلپ سڈنی کے مندرجہ بالا خیالات پر غور کریں تو اُن کے دلائل میں اگرچہ اُن کا اپنا مخصوص انداز موجزن نظر آتا ہے، لیکن ارسطو اور ہوریس کے خیالات کی گونج بھی موجود ہے۔ یہ وہی خیالات ہیں جو اطالوی نشاۃ الثانیہ کے نقادوں سے ہوتے ہوئے سڈنی تک پہنچے ہیں۔ ممکن ہے کہ سر فلپ سڈنی کے افکار و نظریات دورِ حاضر کی جدید تنقید کے معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں لیکن اپنے دور کے حالات کے اعتبار سے ان افکار نے شاعری اور ادب کو ایک نیا انداز اور نیا جذبہ دیا۔ ایک ہزار سال سے زاید مذہبی تسلّط اور رجعت پسندی کا دور انگریزی شاعری کے لیے حقیقتاً عہدِ ظلمت تھا۔ نشاۃ الثانیہ کے دوران اطالوی ادیبوں نے اِس طلسم کو توڑنے کی بھرپور کوشش کی لیکن پیورٹن گروہ کی شدید اور کٹّر مخالفت نے ادب کو سر اُٹھانے کا کبھی موقع نہ دیا۔ سولہویں صدی کے اواخر تک یہی سلسلہ جاری تھا لیکن سر فلپ سڈنی کے افکار نے معاشرے کی اقدار پر مثبت اثر ڈالا اور شاعری کو وہ مقام ملا جو ابتدا میں سپنسر اور بعد ازاں شیکسپیئر جیسے عظیم ادیبوں کی آمد کا باعث بنا۔

شاعری پر اعتراضات کا دوسرا اہم دور اٹھارہویں صدی کے آخری عشروں میں نظر آتا ہے۔ اِن اعتراضات کے اسباب فلپ سڈنی کے پیش رو دور کے اعتراضات کے اسباب سے مختلف ہیں۔ اِن اسباب کے بارے میں سکاٹ جیمز کی رائے ملاحظہ ہو۔

"The social and intellectual change which had its first central epoch at the Renaissance reached its second climax at the end of the eighteenth century. It appeared in the growth of science, the application of science to industry, the transference of population from the century to the town....."[7]

یعنی معاشرتی اور فکری سطح پر سامنے آنے والی وہ تبدیلیاں جن کا ابتدائی عروج نشاۃ الثانیہ کا عہد تھا، اپنے دوسرے عروج پر اٹھارہویں صدی کے اواخر میں پہنچیں۔ اور ان تبدیلیوں کے بنیادی اسباب میں؛

۱۔ سائنس کی ترقی اور صنعت میں سائنسی علوم کا استعمال
۲۔ آبادی کی دیہاتوں سے شہروں کی طرف منتقلی
۳۔ جدید علوم مثلاً معاشیات، عمرانیات اور فلسفے کا مطالعہ

اور اس طرح کے داخلی اور خارجی محرکات شامل تھے۔

اِس دور میں تھامس لَو پیکاک (Thomas Love Peacock) نے ایک کتاب "The four ages of poetry" تحریر کی جس میں شاعری کو جدید دور میں بے فائدہ قرار دیتے ہوئے اسے صرف اوہام پرستی کے شکار ذہنوں کی دلچسپی قرار دیا گیا۔ یہ بنیادی طور پر ایک ایسے ذہن کے افکار تھے جو جدید سائنسی اور صنعتی ترقی کے زیرِ اثر روحانی اقدار کی نسبت مادی اقدار کا زیادہ قائل تھا۔ شاعری کو بے فائدہ قرار دینے کے پس منظر میں یہی ذہنیت کار فرما تھی۔

پی بی شیلی نے ۱۸۲۱ء میں "شاعری کا دفاع" (Defence of Poetry) کے نام سے ایک کتاب لکھی جو 1840ء میں شایع ہوئی۔ ابتدا میں اِس کتاب کے بارے میں خیال کیا گیا کہ یہ پیکاک کی کتاب میں پیش کیے گئے خیالات کے ردِّ عمل میں لکھی گئی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تاثر ختم ہو گیا اور اِس مضمون کو شاعری کی اہمیت اور فطرت کے ضمن میں ایک نظریاتی موقف کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا جو سڈنی کے نظریات کے قریب قریب تھا۔[8] شیلے کے خیالات کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ شاعر تخیل کے زور پر اُس ماورائی دُنیا کے قریب براہِ راست پہنچ جاتا ہے جسے افلاطون نے عالمِ مثال کا نام دیا تھا۔ لیکن افلاطون کی طرح شیلے شاعر کو اِس دُنیا کا نقّال قرار نہیں دیتا بلکہ اُسے حقیقت سے شاعر کا براہِ راست رابطہ قرار دیتا ہے۔ زبان قوتِ متخیّلہ کا بہت بڑا ہتھیار ہے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

کیونکہ اسے قوتِ متخیّلہ خود اپنی ضروریات کے لیے تخلیق کرتی ہے اور زبان ہی وہ بنیادی عنصر ہے جو شاعری کو دیگر علوم سے ممتاز کرتا ہے۔ڈاکٹر محمد احسن فاروقی شیلے کی اِس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"سڈنی کی طرح شیلے بھی افلاطون سے متاثر ہو کر شاعری کو ہر علم اور ہر فن سے بہتر ثابت کرتا ہے۔لارڈ بیکن کو شاعر کہتا ہے، شاعری کی مختلف طریقوں سے تعریف کرتا ہے اور تصوف اور عرفان سے اِس کے ڈانڈے ملاتا ہے۔"[9]

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے شیلے کی شاعری کی ماہیت کے بارے میں اس "عینی تصور" کو بہت وضاحت سے بیان کیا ہے۔وہ شیلے کے خیالات میں سے تین بنیادی نکات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ شاعری ایک یزدانی اور الوہی چیز ہے۔

۲۔ شاعری علم و عرفان پر محیط ہے اور اِس علم و عرفان کا مرکز بھی ہے۔

۳۔ شاعری سائنس کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور سائنس کے لیے مرجع بھی ہے۔[10]

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے شاعری کے بارے میں اِن خیالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اُنھیں شیلے کی رومانیت اور جذباتیت کے زیرِ اثر قرار دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ تعریفیں "پُر لطف ہونے کے باوجود کسی عقلی یا فلسفیانہ تجزیے کے سامنے نہیں ٹھہر سکتیں۔"[11] دراصل شیلے کا واسطہ ایک ایسے ذہن سے پڑا تھا جو سائنس اور صنعتی دور کا پروردہ تھا۔چنانچہ اپنے زمانے کے مادہ پرستانہ فلسفے کے مقابلے میں شاعری کا یہ رومانوی تصور اُس دور میں شاعری کی بہتری اور بقا کے لیے بہت ضروری تھا۔شیلے شاعری کو بیکار ذہنوں کی دلچسپی کے تصور سے نکال کر اُس کا رشتہ علم، سائنس اور آئینِ حیات سے ملانا چاہتا تھا۔چنانچہ شیلے نے شاعری کا ایک وسیع مفہوم پیش کرتے ہوئے، تخیّل کی ہر اُس صورت کو شاعری قرار دیا جو انسان کو خارجی دُنیا سے اُس کے داخل کا تعلق پیدا کرے اور کسی پوشیدہ حقیقت کا سراغ لگائے۔وہ شاعری کو تخیّل کا خارجی اظہار قرار دیتا ہے۔وہ شاعری میں شعریت کے حوالے سے نظم و نثر کی تفریق کو بے معنی قرار دیتے ہوئے وزن کو صرف اِس حوالے سے اہم قرار دیتا ہے کہ اس کے ذریعے آوازوں کو ایک خاص ترتیب اور تکرار پیدا ہوتی ہے جو قاری یا سامع کے لیے ایک خاص لطف کا باعث بنتی ہے۔وہ کہانی اور نظم کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے نظم کو بہتر قرار دیتا ہے کیونکہ اُس کے نزدیک نظم میں ابدی حقیقت اور صداقت کا عکس پایا جاتا ہے اور یہ زندگی کی مسخ صورتوں کو ایک ایسے آئینے کی طرح پیش کرتی ہے جس میں ان مسخ صورتوں کا خوبصورت عکس نظر آتا ہے۔جبکہ کہانی بعض اوقات زندگی کی خوبصورتیوں کو مسخ کر کے پیش کرتی ہے۔

شاعری کے اخلاقی افادیت کے حوالے سے شیلے کی رائے بہت منفرد ہے۔اُس کے نزدیک

"Imagination is good because it enlarges sympathy, and as poetry strengthens the imagination it is therefore good."[12]

یعنی تخیّل اس لیے اچھا ہے کہ یہ ہمدردی کے جذبات کو وسعت دیتا ہے اور شاعری چونکہ تخیّل میں وسعت پیدا کرتی ہے، اس لیے اخلاقی اعتبار سے اچھی ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو شاعر اور شاعری کے حوالے سے اعتراضات کی نوعیت معاشرتی، سماجی، مذہبی اور سائنسی نقطۂ نظر سے تھی۔افلاطون سے لے کر پیکاک تک شاعری کو کسی نہ کسی حوالے سے ایک بے کار اور فضول مشغلہ قرار دیتا جاتا رہا۔لیکن ہر دور میں اِن اعتراضات کا جواب بھی سامنے آتا رہا۔ارسطو نے شاعری کو عالمِ مثال کی سچی تصویر کشی قرار دیا اور شاعر کو افلاطون کی مثالی ریاست میں تزکیہ نفس کرنے والے ایک حکیم کا کردار دیا۔فلپ سڈنی کے سامنے مذہبی شدت پسندی کی صورت میں بہت بڑا چیلنج تھا لیکن سڈنی نے اِس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنے زمانے میں شاعری کا کامیاب دفاع کیا۔اور اُسے معاشرے کے لیے قابلِ قبول بنایا۔شیلے رومانی شاعر تھا اور اپنی اُفتادِ طبع کے اعتبار سے رومانی دَور کے خالص رومانویت کے حامل شعراء میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ایک عقل پرست معاشرے کے سامنے شاعری کا صحیح مقام متعین کرنے کے لیے اُس نے رومانوی انداز ہی اختیار کیا۔بلاشبہ حقیقت پسندانہ اور عقلی فلسفے کے نزدیک اُس ضمن میں زبان کی اہمیت واضح کرنا اور شاعری کے لیے زبان کو انفرادیت بخش آلہ قرار دینا شیلے کے خیالات کا عمدہ نمونہ ہے۔

حواشی:

[1] .J.D. Kaplan, Editor: "Dialogues of Plato", New York, The Pocket Library, 1959, Page 370

[2] .Ref. Same as above, Page 375

[3] .Ref. Same as above, Page 379

[4] .Scolt-James, "The Making of Literature", London, The Heiuemann Group of Publishers, 1963, Page 97

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.2 2021

[5] Same as above, Page 101.

[6] David Daiches, "A Critical History of English Literature", Volume I, London, Oxford University Press, 1985, Page 199.

[7] Scolt-James, "The Making of Literature", London, The Heiuemann Group of Publishers, 1963, Page 194.

[8] David Daiches, "A Critical History of English Literature", Volume I, London, Oxford University Press, 1985, Page 914.

[۹] احسن فاروقی، ڈاکٹر "تاریخِ ادبِ انگریزی"، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، طبع اوّل، ۱۹۸۶ء، ص ۳۴۵۔

[۱۰] عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، "اشاراتِ تنقید"، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶، ص ۹۸۔

[۱۱] ایضاً۔

[12] Ref. David Daiches, "A Critical History of English Literature", Volume I, London, Oxford University Press, 1985, Page 915.

کتابیات:

اُردو:

[۱] احسن فاروقی، ڈاکٹر "تاریخِ ادبِ انگریزی"، کراچی، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، ۱۹۸۶ء۔

[۲] عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، "اشاراتِ تنقید"، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۶ء۔

انگریزی:

[1] David Daicles, "A critical History of English Literature", Volume 4, London, Oxford University Press, 1985.

[2] J.D. Kapean, Editor, "Dialogues of Plato", New York, The Pocket Liberary, 1959.

[3] Scott-Jamess, "The Making fo Literature", London, The Heimmann Group of Publishers, 1963.